Urdu Ghazal Ibtada se Wali tak

B.A Urdu (Hons) Part-iii Paper-v

Lrcture-3

محمد قلی قطب شاہ معانیؔ : قلی قطبؔ شاہ کی شخصیت کسی تعارف کامحتاج نہیں۔ یہ قطب شاہی عہد کا پانچواں بادشاہ تھا ۔ بہت باذوق اور رسک طبیعت کا مالک تھا، حسن پرستی اور فطرت پرستی، نیز ہندوستانی رنگ وتہذیب اس کے رگوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اوران تمام صفات کا اظہار ہمیں ان کی شاعری میں بخوبی دیکھنے کوملتا ہے۔ ہندوستانی ذوقِ جمالیات، اورحسن پرستی ان کی طبیعت سے ہم آہنگ تھی ۔ان کی شاعری فقط ان کے ذوقِ جمال کی عکاسی نہیں کرتی بلکہ اس میں میں ہمیں ہندوستانی تہذیب، نسائی حسن، طلبِ عشق، کی بھی نمائندگی کرتی ہے۔قلی طب شاہ کی شاعری کے حوالے سے جمیل جالبی نے بڑی اچھی بات لکھی ہے :

'' محمد قلی کی شاعری عوامی شاعری کی اولین ہندوستانی روایت کا نقطۂ آغاز ہے۔اس کا کلیات
دکنی تہذیب کا نگارخانہ ہے، اس کا مذہب زندہ دلی اور مسرت کوشی رہا ہے۔ ''

(جمیل جالبی، ''تاریخِ ادبِ اردو)

انہیں اردو کا پہلا صاحبِ دیوان شاعر ہونے کا فخر حاصل ہے۔ان کے دیوان میں ۳۱۲ غزل جوکل دو ہزار دوسو چوون اشعار پر مشتمل ہے، کے علاوہ اس میں قصیدہ، نظم، مثنوی، مرثیہ وغیرہ بھی شامل ہے۔قلی قطب شاہ نے اپنی نظموں میں جہاں ایک طرف ہندوستانی رنگ وتیوہار، یہاں پھل، پھول، موسم پر نظمیں کہیں جس سے ان کے عوامی اور ملک پرست شاعر ہونے کا پتہ چلتا ہے وہیں دوسری طرف طرف ان کی غزلیں خالص ہندوستانی ذوقِ جمال کی نمائندگی کرتی ہیں۔ان کا محبوب ہندوستانی رنگ وڈھنگ، ناک نقشے پہناوے اڑھاوے والا ہے۔ان کا ناز و انداز، روٹھنا ان کی خوبصورتی یہ تمام چیزیں ہندوستانی معشوق کے خدوخال کو ابھارتی ہیں۔بطور خاص ان کی ''بارہ پیاریاں'' اس بات کی سب سے بڑی مثال ہوسکتی ہے۔

غزل کے یہ چند اشعار ملاحضہ ہو :

چھیلی سوں لگیا ہے من ہمارا کہ اس بن ہمیں یکتل قرار
پیا باج پیالا پیا جائے نا پیا بن اک تل جیا جائے نا
ہمن تم میں اے باد و شرط و وفا تھا وفاں چھوڑ باتاں رقیباں سنایا
بلائی منج او ناز نین مست ہو کر سدا راکھ یا رب مستی کا شکر
ابرو کمان کھینچ کر مارے پلک کے تیر سوں زخمی ہوا دل کا ہرن لاگیا نشان تجھ ہات کا

حسن شوقی 〈متوفی〉 : دکنی ادب میں حسن شوقی پائے کا شاعر گزرا ہے۔انہوں نے قصیدہ،مثنوی اور غزلیں کہیں۔ان کا قیام بیجاپور اور گولکنڈہ دونوں جگہ رہا۔شوقی نے اپنی غزلوں میں تشبیہ اور استعارے بہت خوبصورت استعمال کیے ہیں۔

غزل کا نمونہ درج ذیل ہے :

تجھ مکھ کنول کوں بدل جگ میں سرنگ لالہ ہوا　　تجھ زلف تے اپجا بھور دوجا بھونک کالا ہوا
تجھ نین تے نرگس کھلے عبہر کھلے بن کر کھلے　　تجھ خوئے تو دونا ہوا مروا ہوا بالا ہوا
ہمارے حال پر شوقیؔ بجز حق کوئی واقف نیں　　کراماً کاتبیں مسکیں رہے حیراں قلم پکڑے

ملک خوشنود : ملک خوشنود عادل شاہی عہد کا ایک معتبر شاعر ہے۔انہوں نے مرثیہ،مثنوی،ہجو کے علاوہ غزلیں بھی کہیں ہیں ۔جمیل جالبی نے قدیم بیاضوں سے ان کی چار غزلیں دریافت کی ہیں۔ان غزلوں کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بھی دکنی عام رویت کے تحت اپنی غزلوں عورت،اور محبت کو ہی اپنا موضوع بنایا ہے۔اگر زبان کے حوالے سے بات کریں تو یہاں ابھی دکنی اردو اور فارسی دونوں کے ملے جلے اثرات دیکھنے کو ملتے ہیں۔چند اشعار ملاحضہ ہو :

فردوس کا سب پھولبن روتا ہے نرگس یاسمن　　پھاڑے ہے لالہ پیرہن لہو میں چمن نہایا عجب
دو تن کی بات سن سن کر کبٹ دل پر تو دھرتے ہیں　　اتا سب بوجھ کر مجھ کوں پرم مدح بھی پلاتے گئے
نبر یو عشق مشکل ہے حقیقت ہور مجازی کا　　پرت ہوروں کوں لا مجھ سوں سوا جوتیاں تو کھتے گئے

کمال خاں رستمی : رستمی بھی عادل شاہی عہد کا شاعر تھا یہاں بھی غزل کا موضوع تو حسن وعشق ہی ہے،جہاں غمزہ،ناز وادا، شوخی ومستی،ہجر کا بیان،محبوب کے وعدے اور وعدہ خلافی کا بالعموم ذکر ہے۔لیکن انہیں باتوں کے پیشِ نظر جمیل جالبی رقم طراز ہیں :

"یہ اردو غزل کی روایت کے وہ اولین نقوش ہیں جن کی مدد سے قدیم اردو غزل کے ارتقا کا مطالعہ کر کے اس رجحان کو تلاش کیا جاسکتا ہے جس کا نقطۂ عروج خود ولی دکنی کی غزل ہے۔"

(جمیل جالبی،تاریخِ ادبِ اردو۔ص۔۲۰۶)

علی عادل شاہ ثانی شاہیؔ (متوفی 1667ء) : دکنی بادشاہوں میں قلی قطب شاہ کے علاوہ علی عادل شاہ ثانی ایسا بادشاہ گزرا ہے جنہوں نے اردو زبان وادب کی بے لوث کی خدمت کی ہے۔یہ کام انہوں نے شعروادبا کی سرپرستی اور خود شعروادب سے دلچسپی رکھتے ہوئے کی ہے۔وہ اپنے زمانے کے شعری مزاج اور چلن کے اعتبار سے پائے کا شاعر کہا جاسکتا ہے۔ان کے یہاں موضوع وصل،جسن اور لذت ہی ہے۔انہوں مختلف اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ہر ایک میں موضوع کا بس وہی رنگ نمایاں ہے جو کہ غزل میں ہے۔ان کی گزلوں کی خصوصیات میں لطف تخیل کو زیادہ اہمیت حاصل ہے،زبان و بیان دلکشاور سحر انگیز اور پر لطف ہے۔ساتھ ہی ان چیزوں کے بیان میں وہ خوبصورت تشبیہات کا بھی استعمال کرتا ہے۔گویا ان کی پوری شاعری ان کے عاشقانہ جذبات کی نمائندگی کرتے ہیں۔شباب،شراب،وصل اور بہاران کی غزلوں کا اصل محور ہے۔دیکھیں یہ اشعار :

جوبن پھڑک کتے ہیں پیوست ہو ملیں گے　　آلنگ بدل رہا ہوں اب بند کھول انگیا کا
جنے اس نیر کو چاکھیا سو اٹھا بول کہ یوں　　گویا جوں شہد و لبن تے بھریا ہے حوض کانل

نصرتیؔ (متوفی 1674ء) : نصرتی اردو شعروادب کا بڑا نام ہے۔ان کی شہرت ان کی مثنوی "گلشنِ عشق" کے باعث ہے۔

لیکن اس کے علاوہ نصرتی رباعی اور غزل کا بھی شاعر ہے۔ان کی غزلوں میں محمود، فانی، شوقی وغیرہ کی طرح حسن کے بیان میں ضبط نہیں ہے بلکہ وہ عورت سے فقط وصل کا خواہاں نظر آتا ہے ان کے ظاہری حسن اور شباب کا پرستا اور طلب دیدار ان کی غزلوں میں پوری طرح نمایاں ہیں۔ بنیادی طور پر ان کی غزل میں رگینیاں اور رعنایاں ہیں محبوب سے مل کر لذتِ خط اٹھانے کی حسرت ہمیشہ ان کے دل میں ہچکولے کھاتی ہے اور وہ اسی عالم میں سخن گوئی کرتا ہے :

تجھ دل تے بھی نہا لگے مجھ چک میں روز وصل　　دستی شبِ فراق تیری زلف تے بڑی
تیرے او نار پھل پرھت دھریا تو توڑ لئیو نا　　منجے اتنا بھی حاصل کیا نہ ہوتا تجھ جوانی کا
عالم کی تب تے نصرتی پروا سٹیا مدام　　جب تجھ شرابِ حسن کی مستی اسے چڑھی

سید میراں میاں خان ہاشمی (متوفی 1697ء) : تذکرہ نگاروں نے اسے پیدائشی اندھا ضرور کہا ہے لیکن جس طرح انہوں نے اپنی غزلوں اور دیگر صنف شاعری میں رنگوں اور جسم کے اتار چڑھاؤ کا بیان کیا ہے اس سے یہ قطعی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ وہ مادر زاد اندھے تھے۔آج سے لگ بھگ چار سو سال قبل میراجی نے جس انداز اور اور دلکش اسلوبِ میں رنگین شاعری کی ہے کہ جہاں تک آج شاعر مشکل اس کے قریب پہنچا سکا ہے۔وہ ریختی کے پہلے صاحبِ دیوان شاعر ہیں اور پورا دیوان ان کی محبوبہ کی سراپا حسن بیان، خدوخال، جسم کے اتار چڑھاؤ، نین ونقش، رنگ وڈھنگ، ناز وادا کے بیان سے بھری پڑی ہے۔ان کے خیال میں جو محبوب بستا ہے وہ ایک تیکھے نین نقش والا اور انہوں نے ظاہر بھی کر دیا ہے کہ وہ عورت ہے۔اس کا رنگ سانولا ہے، بہت ہی شوخ اور چنچل ہے۔ہاشمی اس کے جسم کے ایک حصے کی بہت ہی دلکش انداز میں تعریف کی ہے۔جس میں بیان اور موضوع کا انہوں نے حق ادا کر دیا ہے۔

مثال کے طور پر دیکھیں یہ اشعار :

ہری چولی کی کیا تعریف کروں اودے ڈنڈارس کا　　تو گوری خوب لگتا ہے تہبند تو لال اطلس کا
کہا کیا عیب ہے بولو جو سینہ بت سوں چھنے کا　　کہی میں جیوچ دیوانگی جو لیں گے نانو سینے کا

دکنی غزلوں کے حوالے سے ایک اہم بات جو ذہن میں ابھر کر آتی ہے وہ یہ کہ اس وقت کے شعرا کے یہاں جو عورت یا محبوب کا تصور ہے اس کا رنگ روپ، ناز وادا، خدوخال، احساس وجذبات اور ان کے حسن کا بیان وہ خاص ہندوسانی رنگ سے تعلق رکھتی ہے۔

سلطان عبداللہ قطب شاہ : قطب شاہی عہد کے آخری ایام میں اردو شعروادب کو فروغ دینے میں اہم کردار رہا ہے۔وہ خود بھی اردو اور فارسی کا اچھا عالم تھا۔شعرادب سے بے پناہ دل چسپی تھی ان کا ایک دین بھی سلسلۂ یوسوفیہ سے شائع ہو چکا ہے۔ان کے کام کا موضوع قلی قطب شاہ کی طرح متعدد موضوعات پر مشتمل ہے لیکن ان کے کلام میں دکن کے دیگر شعرا کی طرح گہرائی وگیرائی نہیں ہے۔محبوب سے ملنے اور اس کے ساتھ شراب پینے، خط اٹھانے کے بیان کو دلچسپ انداز میں بیان کر دیا گیا ہے۔غزل کے چند اشعار ملاحضہ ہوں :

بسنت آیا پھلیا پھول لالہ　　سخی لیا اب صراحی ہور پیالہ
ہوا مد پینے کا آیا ہے پیارے　　تو مد پینے کو من کرتا ا لا لا

ابو الحسن تانا شاہ : یہ قطب شاہی عہد کا آخری بادشاہ تھا۔گرچہ ان کا عہدِ خلافت پوری طرح انتشار سے بھرا ہوا ہے لیکن با وجود اس کے انہوں نے اردو شعروادب کی طرف تھوڑی بہت توجہ ضرور دی۔خود بھی شاعر تھا اور کم وبیش شعرا کی سرپرستی بھی کی۔ان کی ایک غزل جو میرے مطالعے سے گزری ہے اسے دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔اس غزل میں غزل کے لوازمات، زبان وبیان کی روانی، تشبیہ واستعارہ اس فنہ

خوبی سے استعال کیا ہے جوغزل کواس کے مزاج کے قریب کر دیتی ہے۔اس غزل کی اہمیت اس باعث بھی زیادہ ہے کہ ابوالحسن تانا شاہ کے غزل کی اس زمین پر بعد میں وؔلی پھر فائزؔ نے غزل کہی ہے۔

غزل ملاحضہ فرمائیں :

اے سرو گلبدن تو ذرا ٹک چمن میں آ　　جیوں گل شگفتہ ہو کر مری انجمن میں آ
اے شوخ خود پسند توں ٹک بھی سخن میں آ　　کب لگ رہے گا جیوں لبِ تصویر بے سخن
اے معنئی بلند شتابی سوں من میں آ　　چاہتا ہوں وصف قد میں کروں فکر شعر کی
بند قبا کو کھول کے صحنِ چمن میں آ　　اے جانِ ابواحسن توں اچھے خوش لٹک ستے

لہجے کے دھیمہ پن اور وصف بیان میں ایک خاص قسم کا Discipline نظر آتا ہے جواب سے پہلے کے شاعر کے یہاں کم ہی دیکھنے ملتا ہے۔اور ایسا لگتا ہے کہ وؔلی کی طرح اس غزل میں باقاعدہ اردو غزل پورے آب وتاب کے ساتھ شروع ہو چکی ہے۔

سید محمد خاں عشرتی :

ولیؔ وکنی (متوفی 25-1720ء) : دیکھا جائے تو وؔلی نے جب اردو غزل گوئی کی ابتدا کی تو اس سے قبل یہ روایت تقریباً تین سو سال پرانی ہو چکی تھی۔وؔلی کی اہمیت یہاں اس لئے بڑھ جاتی ہے کہ اس قبل کے جو بھی شعرا ہیں مثلاً بندہ نوازؔ، خیاؔلی، معاؔنی، محمؔود وغیرہ ان سب کے یہاں گیسو دراز کو چھوڑ کر، غزل کا موضوع عورت اور اس کے حسن وشباب کی تعریف اور اس سے لذت پانے کا تصور ملتا ہے۔ ندرتِ خیال اور مضمون آفرینی کا کہیں پتہ نہیں چلتا۔لیکن وؔلی وہ پہلا شاعر ہے جن کی غزلوں میں گہرے تجربے، احساس، اور حیات وکائنات کے شعور کا پتہ چلتا ہے۔ہاں یہ ضرور ہے یہ رنگ کچھ حد تک محمؔود اور حسن شوقؔی کے یہاں بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔دراصل ولی نہایت ترقی یافتہ ذہن کا مالک تھا۔ موضوعات کو دیکھنے اسے محسوس کر کر کے بیان کرنے کا انداز انتہائی دلچسپ اور نرالا ہے۔خاص کر ان کے تراکیب اور استعارے تو اتنے اچھوتے اور معنی خیز ہوتے ہیں کہ بعض اوقات ہم یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ واقعی ایک شاعر کا ذہن یہاں سے بھی تشبیہ اور استعارے تلاش کر سکتا ہے ۔مثال کے طور پر ان کی ایک مشہور غزل کے چند اشعار پیش کر رہا ہوں جن تمام دلکش اور نادر تشبیہ واستعارے سے پر ہے کہ جس کی مثال آج تک اردو شاعری میں ک،ہی دیکھنے کو ملتی ہے۔

جادو ہیں ترے نین غزالاں سوں کہوں گا　　تجھ لب کی صفت لعلِ بدخشاں سوں کہوں گا
اس مکھ کو ترے صفحۂ قرآں سوں کہوں گا　　یک نقط ترے صفحۂ رخ پر نہیں ہے بے جا
حوضِ کوثر پہ جیوں کھڑا ہے بلال　　لب پہ دلبر جلوہ گر ہے جو خال

انور سدید لکھتے ہیں کہ :

> ’’ وؔلی کی غزل میں ہندوستا کی ارضیت اور ایران کی تخیل آفرینی آپس میں مدغم ہو گئیں ہیں۔وہ زندگی کے جمالیاتی مظاہر کی پرستش کرتا اور حسنِ کائنات کی طرف والہانہ انداز میں لپکتا ہے۔نگاہ ودل کو لذتِ نظر سے سرشار کرنا اس کا مزاج ہے۔ ‘‘

(مختصر تاریخ ادبِ اردو، انور سدید۔ص۔۱۳۲)

میں نے ایک بات پہلے بھی عرض کی ہے کہ ولی کے کا تصور عشق یا محبوب کی تعریف اور اس کے حسن کا بیان اس سے قبل کے شاعر سے

قدر مختلف ہے۔ یہاں ڈیسیپلن ،تہذیب اور ظبط بیان دکھتا ہے۔ وہ محبوب کے سراپا کا بیان ہوس نگاہی سے دیکھتے ہوئے نہیں کرتا بلکہ اسے نادر خوبصورت تشبیہات اور استعارے اور کنائے کے ساتھ بیان کرتا ہے۔ جس میں پاکیزگی اور دلکشی صاف صاف نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر یہ چند اشعار ملاحضہ ہو :

لب پہ دلبر جلوہ گر ہے جو خال حوضِ کوثر پہ جیوں کھڑا ہے بلال
تو سر سے قدم تلک جھلک میں گویا ہے قصیدہ انوری کا
نہ جانوں خط ترا کس بے خطا پر چلا ہے آج فوجِ شام لے کر

پہلے شعر میں وؔلی نے معشوق کے اوپر کے ''تل'' کا بیان کتنی اچھوتے انداز میں بیان کیا ہے کہ بعض اوقات ہماری حیران رہ جاتی ہے۔ بقول استاد محترم مظہر حسین مہدی (دورانِ کلاس لکچر) ''وؔلی نے اپنی غزلوں میں جس طرح کے تراکیب،موضوعات کو برتا ، بعد کے شعرا نے اس میں اضافہ کیا''۔اور واقعی وؔلی کے کلام کو دیکھنے کے بعد یہ بخوبی احساس ہوتا ہے کہ وؔلی کے ہم عصر یا بعد کے شعرا نے کسی نہ کسی صورت میں ان کی پیروی ضرور کی ہے۔ فاؔئز نے پوری زندگی میں چالیس غزلیں کہیں اور ان میں سے تینتیس غزل وؔلی کی ہی زمین پر ہے۔جس طرح میر کو اس کے عہد اور بعد کے شعرا نے استادِ سخن تسلیم کیا ہے اسی طرح اس سے قبل ولی اپنی استادی کا لوہا اپنے ہم عصروں اور آنے والے شعرا سے بھی منوا چکے تھے۔اسن کی شاعری جو تمامتر کلاسیکی خصوصیات لیے ہوئے ہے اس بنا پر اگر ہم وؔلی کو اردو کلاسیکی شاعری کا امام کہیں تو غلط نہ ہوگا۔اگر زبان کے حوالے سے بات کریں تو وؔلی نے فارسی اور ریختہ دونوں سے دل کھول کر استفادہ کیا ہے۔ساتھ ہی اس میں دکن کے بھی اثرات پائے جاتے ہیں۔کیوں کہ ان کی پرورش اور سخن گوئی ایسے مقام پر ہوئی جو ان تینوں محاذ سے مل کر بنتی ہے۔جن کے اثرات سے انہوں نے غزلوں میں فکر رسا، معنی ومضمون آفرینی،لفظ و معنی کا رشتہ،اثر آفرینی و درد، چاشنی و شیرینی، لطافت و شوق انگیزی،جیسی خصوصیات کو سمویا۔جو آگے چل کر غزل کا اہم جز بن گئی۔ان کے یہاں موضوعات کا تنوع بھی دیکھنے کو ملتا ہے۔انہوں آفاقی، اخلاقی، انسانی ہمدردی اور روزمرہ جیسے موضوعات پر بھی سیدھے سادے الفاظ میں بہترین اشعار کہے ہیں۔جس سے ان کے وسعتِ تصور اور خیال آفرینی کا پتہ چلتا ہے۔دوسرے لفظ میں ہم یہ کہیں کہ ولی کے یہاں سہلِ ممتنع کے بھے عمدہ نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔دیکھیے یہ چند اشعار۔

مفلسی سب بہار کھوتی ہے مرد کا اعتبار کھتی ہے
کیوں کپڑے رنگوں ترے غم میں عاشقی میں بھی لباس ہوتا ہے
باعثِ رسوائی ِعالم ولی مفلسی ہے، مفلسی ہے، مفلسی
جسے عشق کا تیر کاری لگے اسے زندگی کیوں نہ بھاری لگے

وؔلی کے بارے میں محی الدین قادری زور کا خیال ہے کہ :

'' وؔلی ایک آوارہ مزاج ،قلندر منش اور بے باک شاعر تھے۔ان کے کلام میں مضامین کی رنگینی، خیال کی وسعت اور طرزِ ادا کی بے باکی پائی جاتی ہے۔ ''

(''دکنی ادب کی تاریخ''،محیادین قادری زور۔ص۔۱۰۸)

غرض کہ وؔلی نے اپنی غزلوں میں وہ تمام موضوعات ،تراکیب،صنائع استعمال کیا جو آنے والی نسلوں کے لیے اس میدان میں مشعلِ راہ بنی اور شعرا نے اس سے بھرپور استفادہ بھی کیا۔

ولؔی کے بعد اب ان ہم عصر موضوع کے اعتبار سے لازمی معلوم ہوتا ہے۔ گرچہ ولؔی کے عہد میں اور اس کے تھوڑے بعد کے دور لکھنے والوں کی ایک اچھی خاصی جماعت نظر آتی ہے لیکن بنیادی طور فراقؔی، داؤدؔ، اور آزاد کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور اس کے ٹھیک بعد کی نسلوں میں، سراجؔ قاسمؔ وغیرہ کا نام آتا ہے۔ لیکن صرف سراج اورنگ آبادی کے چھوڑ کر کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ عم عصر کے علاوہ بعد کی نسلوں نے ولؔی کی زمین اور اس کے تمام شعری نکات کی پیروی کی ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ فائزؔ نے کل چالیس غزلیں کہیں جن میں تینتیس غزل ولؔی ہی کی زمیں پر ہیں۔

فراقیؔ (متوفی 1735ء کے آس پاس) : فراقی کی غزلوں کا مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ انہوں موضوعات کے معاملے میں ہر جگہ ولی کی پیروی نہیں کی ہے۔ بنیادی طور ان کی غزلوں میں ہمیں دو موضوع دیکھنے کے کو ملتے ہیں ایک عاشقانہ اور دوسرا ناصحانہ۔ ان کی عاشقانہ غزلیں جزبے اور احساس کی وجہ سے آج بھی قابل توجہ ہیں ورنی موضوع کوئی نیا نہیں ہے اور نہ ہی اس دور کے شعرا کے مقابلے جداگانہ لب ولہجہ۔ دوسری طرف ان کی ناصحانہ غزلیں ہیں جس میں انہوں عدم تشدد، غلطی کے بدلے معافی، بدفعلی سے کنارہ کشی، اور مشیتِ خداوندی پر راضی رہنے کی تلقین کی ہے۔ دونوں موضوع سے یہ اشعار ملاحضہ ہو :

مجے اے حسن کا ساقی لباں کا مے پیلاتا نئیں ارے ظالم میں مرتا ہوں تجے کچھ رحم آتا نئیں
پھوڑ شیشہ پتھر یو جام پچھاڑ اے حلالی حرام نہ لینا

مرزا دائود بیگ دائود اورنگ آبادی (متوفی 1744ء) : یہ ولی کے فوراً بعد کے صاحبِ دیوان شاعر ہیں۔ ان کی شعری زبان صاف ستھری ہے ان کے دیوان میں صنعتِ ایہام بھی پایا جاتا ہے۔ دوسری چیز یہ کہ زبان و بیان، موضوع اور رنگِ سخن میں فراقی کے مقابلے داؤد بڑا شاعر کہا جا سکتا ہے۔ داؤد نے ولؔی کی اعلانیہ پیروی کی اور جا بجا خود کو اقرار اور انکار کی صورت میں ولؔی کا ثانی بھی کہا ہے :

ولی ثانی نہیں داؤد لیکن غزل کہتا ہے ہر ایک با تلازم

داؤد کی غزلوں میں جو اہم صفت نظر آتی ہے وہ یہ کہ وہ معشوق کے سراپا اور خدوخال کا بیان بڑے خوبصورت انداز میں کرتا ہے اور اسے بیان کرنے کا انداز بھی بہت نرالا اور انکھا ہے وہ براہِ راست محبوب کے زلف رخصار کی تعریف نہیں کرتا ہے بلکہ اسے اپنے اشعار سے تشبیہ دیتے ہوئے ایک ساتھ دونوں می تعریف کرتا ہے۔ دیکھیں یہ اشعار :

دیکھ داؤد غزل ہے غزل ہے تیری مصح حسن یار کی تفسیر
گل بدن کے خیال میں داؤد مثلِ گلزار خوش بہار ہیں ہم

اجمالی جائزہ : اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اردو غزل کا جو ابتدائی زمانہ ہے اس میں ہمیں ہندی روایت حاوی نظر آتے ہیں۔ اور غزل کے موضوعات، مقامی اثرات، روزمرہ کی باتیں، پند و نصائح اور تصوف تک ہی محدود ہیں گرچہ امیر خسرو کے یہاں جو رنگتی دیکھنے کو ملتی ہے اس میں کچھ حد غزل کی خوشبو ضرور نظر آتی ہے۔ لیکن پھر ایک عرصہ کے بعد اردو غزل دکن میں نمودار ہوتی ہے جہاں اسے بہمنی، عادل شاہی اور قطب شاہی عہد کے بادشاہِ وقت نے ہر اعتبار سے ترقی دینے کی کامیاب کوشش کی۔ اردو غزل میں سولہویں صدی عیسوی کے آخر تک ہندی روایت پوری طرح داخل رہی اسے سہی معنوں میں تب پھلنے پھولنے کا موقع ملا جب اس نے فارسی روایت کے اثرات قبول کیے۔ اور دیکھا جائے تو اس کی ابتدا بھی دکن سے ہی ہوتی ہے اور سب سے پہلے فیروز، محمود وغیرہ نے اردو غزل میں فارسی تراکیب اور طرز، بیان کی تقلید کی۔ فارسی روایت کے عام ہوتے ہیں غزل کو وقعی اس دور کے شعرا نے عورتوں سے مخاطب کر دیا۔ نصرتیؔ، معانی، وجہیؔ، علی عادل شاہ ثانی شاہیؔ، میراجیؔ،

غواصی، وغیرہ نے اسے خوب ترقی دی گرچہ اس وقت تک کچھ شعرا کو چھوڑ کر باقی کے تمام شاعروں نے غزل میں عورتوں سے متعلق موضوع کو ہی برتا ان کے یہاں کوئی سنجیدگی دیکھنے کو نہیں ملتی لیکن ساتھ ہی ساتھ اس بات کا بھی اعطراف کرنا ہوگا کہ فیروز کے عہد سے ہی غزل گو شعرا کے یہاں ہمیں دلچسپ بیان اور لطیف استعارات وتشبیہات دیکھنے کو ملتے ہیں۔

زبان و بیان، رنگ تغزل کے اعتبار سے اردو غزل ولی کے یہاں عروض پر پہنچتی ہے۔ ولی اردو غزل کو ہر اعتبار سے سجایا سنوارا، اور پروان چڑھایا۔ ولی کی غزلوں کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ اس عہد میں اردو غزل اپنے ارتقا کو پہنچ چکی تھی۔ اور انہوں نے اپنی غزلوں جس طرح کے نادر تشبیہات، استعارات، دلکش اسلوبِ بیان، خیالات کی نیرنگی، مضمون آفرینی اور خوبصورت تراکیب کا استعمال کیا ہے بعد کے شعرا نے اس محض اضافہ کیا ہے۔ ولی کے یہاں بیان میں ظبط ہے، جس میں ایک خاص قسم کی ادبی شان پائی جاتی ہے، انہوں نے لاابالی پنے میں کوئی بات نہیں کہی بلکہ اس قبل کے شعرا کے یہاں ایک غیر مہذب عشقیہ بیان ملتا ہے ولی اس سے اردو غزل کو پاک کیا اور نہایت دلکش ضبطِ بیان کے ساتھ غزل میں محبوب سے بات کی اور میرے نذیک ولی کا یہ انداز انہیں اردو کا سب سے بڑا کلاسیکی شاعر کہنے پر مجبور کرتا ہے۔ اجمالی جائیزے میں ولی کے حوالے سے یہ باتیں اس کہنا پڑی، کیوں کہ یہیں سے دراصل اردو غزل گوئی کا آغاز ہوتا ہے، جس سے بعد کے شعرا نے شعوری نہیں تو غیر شعوری طور پر یقیناً ولی کی پیروی کی ہے۔

Dr. H M IMRAN
Assistant Professor
Deptt. of Urdu
S S College, Jehanabad
Mobile no. 9868606178